© rasailojaraid.com


بحث ونظر

# ترجمان القرآن فراہیؒ کا مسلک حدیث

مولانا سلطان احمد اصلاحی

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ (۱۲۸۰ھ — ۱۳۴۹ھ) تاریخ کی ان یگانہ ہستیوں میں سے ایک ہیں جو فکر وفہم کی دنیا میں نرے مقلد نہ ہو کر اپنی راہ الگ نکالتے اور اپنے پیچھے افکار وخیالات کی ایک نئی دنیا چھوڑ جاتے ہیں۔ علامہ کی عظمت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اس دور آخر میں تفسیر کے ایک نئے مکتب فکر کی بنا ڈالنے میں کامیاب ہوئے اور اپنے پیچھے متعلقہ مسائل وموضوعات پر تازہ افکار و خیالات کا وہ وافر ذخیرہ چھوڑ گئے جس کے ایک ایک جزئیہ کو ریسرچ وتحقیق کا مستقل موضوع بنایا جا سکتا اور اس کی اساس پر علوم کی نئی بستی بسائی جا سکتی ہے۔ انہی میں ایک 'احادیث وآثار' کے سلسلے میں ان کے مخصوص خیالات ہیں، آج کی مجلس میں جس کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ یہ جائزہ خالص بیانیہ نہ ہو کر عام مسلک فراہیؒ کی پیروی میں ناقدانہ بھی ہوگا اور اس میں موضوع کے مالہ وما علیہ پر ساتھ ساتھ گفتگو ہوگی۔

ترجمان القرآن فراہی اپنے پھیلے ہوئے کاموں میں دوسری اکثر وبیشتر چیزوں کی طرح اپنے مسلک حدیث کو بھی واضح اور مکمل صورت میں پیش نہ کر سکے۔ تاہم اپنی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابوں اور یادداشتوں میں انھوں نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے کافی حد تک حدیث کے سلسلے میں ان کا نقطۂ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ بنیادی طور پر حدیث کے سلسلے میں مولانا کے خیالات ہیں ان کے مقدمہ تفسیر فاتحہ نظام القرآن' التکمیل فی اصول التاویل اور ان کی غیر مطبوعہ یادداشت، احکام الاصول باحکام الرسول' میں ملتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مولانا فلسفۂ شریعت اور احکام شریعت دونوں کے سلسلے میں اصل واساس قرآن حکیم کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے خیال کے


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مطابق اگر کسی موقع پر کسی حدیث کا قرآن سے ٹکراؤ ہو تو قرآن چونکہ قطعی الدلالت ہے جس کے الفاظ کی من جانب اللہ ہونے کی ضمانت ہے اور احادیث ظنی ہیں جن میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے ساتھ بالمعنی روایات کا حصہ بھی کم نہیں ہے، تو اس ٹکراؤ کی صورت میں علامہ حدیث کے مقابلہ میں قرآن کی ترجیح کے قائل ہیں اور قرآن کی تاویل کے مقابلے میں وہ حدیث کو اس کا زیادہ مستحق قرار دیتے ہیں۔ خواہ یہ حدیث یا روایت اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری اور اس کی ہم پلہ صحیح مسلم ہی میں مذکور کیوں نہ ہو۔ حدیث کے سلسلہ میں علامہ کے اس مسلک کو فقہا صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسے لوگوں کے مشابہ قرار دیا جاسکتا ہے جس کا ایک موقع پر انھوں نے تذکرہ بھی کیا ہے[1]

آگے بڑھنے سے پہلے مسئلہ زیر بحث میں علامہ کے خیالات کو ان کے الفاظ میں سننے کی ضرورت ہے۔ اپنے مقدمہ تفسیر میں تفسیر کے خبری مآخذ کے زیر عنوان گفتگو میں فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| من المآخذ ما هو اصل | مآخذ میں بعض کی حیثیت اصل اور |
| و امام ومنها ما هو كالفرع | رہنما کی ہے اور بعض کی فرع اور تابع |
| والتبع اما الامام والاساس | کی۔ جہاں تک رہنما اور بنیاد کا سوال ہے |
| فليس الا القرآن نفسه | تو وہ قرآن کے سوا دوسرا نہیں۔ رہی فرع |
| واما ما هو كالتبع والفرع | اور تابع کی بات تو یہ تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ |
| فذلك ثلاثة [1] ما تلقته | احادیث نبویؐ جنھیں علمائے امت کے |
| علماء الامة من الاحاديث | یہاں تلقی بالقبول حاصل رہی۔ ۲۔ قوموں |
| النبوية و [2] ما ثبت واجتمعت | کے احوال جو پایۂ ثبوت کو پہنچتے ہوں اور |
| الامة عليه من احوال | جن پر امت کا اتفاق ہو۔ ۳۔ حضرات |
| الامم و [3] ما استحفظ من | انبیاءؑ پر نازل شدہ کتابوں کا وہ حصہ جو |
| الكتب المنزلة على الانبياء | دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا اور جس کے |

---

۱؎ التکمیل فی اصول التاویل/۲۲۔ الدائرۃ الحمیدیہ و مکتبتہا، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر اعظم گڑھ (الہند) الطبعۃ الاولی ۱۳۸۸ھ۔ آئندہ التکمیل۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ولولا تطرق الظن
والشبهة الى الاحاديث
والتاريخ والكتب المنزلة
من قبل لما جعلناها كالفرع
بل كان كل ذالك
اصلا ثابتا يعضد بعضه
بعضا من غير مخالفة
فوجب على من يحاول
فهم القرآن ان لا ياخذ
من الروايات ما يهدم
الاصل او يقلعه فاني
رأيت بعض الروايات
تقلع الآيات وتقطع
نظمها الا ان تاول ولكن
التعجب ممن يأول الآية
ولا يأول الرواية وربما
لا يأول الآية بل يرضى
بقطع نظامها والفرع
اولى بالقطع [1]

استناد میں کوئی شبہ نہ ہو۔ اگر احادیث
تاریخ اور حضرات انبیاء پر نازل شدہ
اس سے پہلے کی کتابوں میں ظن اور شبہے
کے داخل ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم
ان چیزوں کو فرع قرار نہ دیتے بلکہ ان میں
سے ہر چیز اصل و اساس کی حیثیت میں
ہوتی جس میں سے ہر ایک دوسرے کے
لیے تقویت کا باعث ہوتی اور ان کے
درمیان کہیں باہم کوئی ٹکراؤ نہ ہوتا۔ پس
جو شخص قرآن مجید کو سمجھنا چاہتا ہو اس
کے لیے ضروری ہے کہ وہ روایات
میں سے ایسی کسی چیز کو قبول نہ کرے
جو اصل ہی کو ڈھا دینے والی اور اسے
جڑ پیڑ سے اکھاڑ دینے والی ہو۔ اس
لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ بعض روایات
آیات قرآنی کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیتی اور
ان کے نظم کو درہم برہم کر دیتی ہیں سوائے
اس کے کہ ان کی تاویل کی صورت اختیار
کی جائے۔ لیکن تعجب ہے ان لوگوں
پر جو آیت کی تو تاویل کر لیتے ہیں لیکن
روایت کی تاویل کے لیے تیار نہیں
ہوتے۔ بلکہ بسا اوقات آیت کی تاویل
بھی نہیں کرتے بلکہ اس کے پورے
نظام کو درہم برہم کرنے کے لیے تیار

[1] فاتحہ تفسیر نظام القرآن وتاویل الفرقان بالفرقان /۱۰ ۔ مطبع اصلاح سرائے میر اعظم گڑھ الہند ۱۳۵۷ھ ۔ آئندہ فاتحہ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اصل کے مقابلہ میں فرع اس
کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی قطع و برید کی جا سکے۔

اسی سلسلے میں وہ عربی کا یہ مشہور شعر بھی پیش کرتے ہیں:

وکاین رأینا من فروع طویلۃ　　تموت اذا لم تحیہن اصول[۱]

اصول تفسیر کے اپنے اسی رسالے میں اس کے آخری مقدمہ ۱۷ "فی تاویل القرآن بالحدیث"، "قرآن کی حدیث سے تاویل" میں جسے علامہ کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی کے اردو ترجمہ میں نہ معلوم کس مصلحت سے ساقط کر دیا گیا ہے[۲] وہ اپنے اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت کرتے ہیں جس میں احادیث کے ذیل میں بخاری و مسلم کی نام کے ساتھ صراحت ہے:

| | |
|---|---|
| قد سبق منی القول | میں یہ بات پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب احادیث |
| بان القرآن ھو الحاکم | کا اس سے ٹکراؤ ہوگا تو قرآن ہی فیصلہ کن ہوگا۔ |
| عند اختلافہ بالاحادیث | اس موقع پر میں اس کی کسی قدر وضاحت |
| فہہنا مزید الایضاح | کرنی چاہتا ہوں میں اپنے بھائیوں کے طعن |
| وکنت افرق عن | تشنیع سے کسی قدر ڈرتا تھا لیکن حدیث سے |
| طعن اخواننا ولکن ذھب | ان کی محبت نے ان کو اس حد تک پہنچایا |
| بہم الشغف بالحدیث | کہ وہ یہاں تک کہنے لگے کہ حدیث آیت کریمہ |
| الیٰ ان قالوا ان الحدیث | (ہم ہی نے اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس |
| داخل تحت آیۃ (انا نحن | کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے تحت |
| نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون) | داخل ہے۔ اور انھوں نے اس قول کے |
| ولم یتفکروا فی نتائج | نتائج پر غور نہیں کیا۔ پس میرے لیے وقت |

---

[۱] حوالہ سابق۔ شعر کا ترجمہ: اور ہم نے کتنی ہی لمبی لمبی شاخوں کو دیکھا ہے کہ جڑوں سے ان کا رشتہ برقرار نہ رہے تو دیر نہیں لگتی کہ وہ سوکھ کر بے جان ہو جاتی ہیں۔

[۲] مقدمہ تفسیر نظام القرآن اردو ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ، طبع اول، مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی۔ جو آخری مقدمے ۱۷ کو ساقط کر کے صرف ۱۶ مقدمات پر مشتمل ہے۔ [۳] حجر: ۹



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| هٰذا القول فحان لي ان | آگیا ہے کہ میں حق وصداقت کا علم بلند |
| ارفع راية الصدق ولا ابالي | کروں اور مجھے کچھ پروا نہیں کہ اس جرأت |
| ولو قطعوا رأسي لديه | بیجا پر میرے سر کو میرے تن سے جدا |
| وا وصالي[1] | کر دیا جائے۔[1] |

اس تمہیدی گفتگو کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| فاعلم ان في قلوب | معلوم ہو کہ اکثر حضرات اہل حدیث |
| اكثر اهل الحديث أن | کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ |
| ما رواه البخاري والمسلم | کہ بخاری و مسلم نے جو کچھ روایت کر دیا ہے |
| لا مجال فيه للشك فنورد | اس میں اب کسی قسم کے شک وشبہے کی |
| بعض ما فيها لكي تعلم | گنجائش نہیں۔ تو اس مقصد سے ہم ان میں |
| ان الله تعالىٰ شنع | سے بعض مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے |
| اتخاذ العلماء اربابا فلا | تم کو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر علماء |
| نومن بما فهموا من غير | کو خدائی کا مقام دینے پر شناعت کا اظہار |
| النظر والفكر[3] | کیا ہے پس ہمارے لیے کچھ ضروری نہیں |
| | کہ انھوں نے جو کچھ کہہ دیا ہے ہم بے سوچے |
| | سمجھے اس پر آمنا وصدقنا کہہ دیں۔ |

صحیح بخاری کے سلسلے میں مولانا کے ان خیالات کا ذکر دوسرے مواقع پر بھی ملتا ہے۔ علامہ کے متحد المذاق دوست مولانا عبید اللہ سندھیؒ حج کے موقع پر ان

---

[1] فاتحہ /۳۲ [2] احادیث نبوی کو آیت کریمہ: انا نحن نزلنا الذكر [الآیہ] کے تحت لانے کے برعکس نتائج سے علامہ کا منشا غالباً یہ ہے کہ صحیحین کی حد تک بھی انتہائی حزم و احتیاط کے باوجود بالمعنی روایات کی کمی نہیں ہے جن میں کسی موقع پر راویوں کے فہم کی غلطی کا امکان بھی بہر حال باقی رہتا ہے جبکہ قرآن کا لفظاً ومعنیً کے ساتھ منزل من اللہ ہونا متفقہ ہے۔ احادیث کو آیت مذکورہ کا مصداق مان کر کتاب اللہ کو بھی ان میں موجود امکانی کمی کے خطرے سے دوچار کرنا ہے۔ جبکہ امت میں کوئی اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔

[3] حوالۂ سابق۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے اپنی ملاقات کے تذکرے میں فرماتے ہیں۔ مولانا سندھی کی اس روداد کو ہم انہی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں:۔

"مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے۔ قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا... جب تک میں ہندوستان میں ان سے ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا۔ اتفاقاً جس سال میں مکہ معظمہ پہنچا ہوں، اسی سال وہ بھی حج کے لیے آئے۔ ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں۔ افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی۔ ہم نے سختی سے ان پر انکار کیا اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا۔ تنگ آکر فرمانے لگے۔ آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا موطا مالک! فرمایا۔ ہم اس کو مانتے ہیں۔ میں نے کہا بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے۔ ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لیے مجبور نہیں کرتے۔"[1]

---

[1] الفرقان بریلی کا شاہ ولی اللہ نمبر۔ طبع دوم ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۱ء مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی ص ۳۰۲۔ مضمون مولانا عبید اللہ سندھی خاص برائے نمبر ہذا بعنوان "امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف"۔ اس موقع پر مولانا سندھی نے صحیح بخاری کے سلسلے میں اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔ مولانا کے ان خیالات کو بھی انہی کے الفاظ میں نقل کرنا مناسب ہے: "رہا یہ کہ صحیح بخاری کے سلسلے میں میرے اشکالات کیا ہیں، اور میں ایک یورپین نو مسلم کو وہ کتاب کیوں نہیں پڑھا سکتا، ان تفاصیل پر میں مجالس عامہ میں گفتگو کرنے کا روادار نہیں، اہل علم جو تکمیل کر چکے ہیں، یا تکمیل کے قریب ہیں ان سے میں مذاکرات میں سب کچھ کہہ دوں گا۔" حوالۂ سابق۔ اسی مضمون میں اس سے پہلے وہ اس سلسلے میں مزید کہتے ہیں: "مگر جس قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی اور نوجوانوں کو بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہوتا گیا، اسی قدر میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا۔" ص ۳۰۰ 'سابقہ یقین' سے مولانا سندھی کا مطلب ہے 'صحیح بخاری کو حافظ ابن حجرؒ سے بھی بڑھ کر اصح الکتاب ماننا اور صحیح بخاری کی چالیس احادیث جن کی جرح کا جواب ابن حجرؒ سے نہیں بن پڑتا تھا، مولانا موصوف کا ان کا جواب دینے کے لیے بھی تیار رہنا۔ حوالۂ مذکور۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایات واحادیث کے سلسلے میں علامہ کے ان خیالات کی بازگشت دوسرے مقامات پر بھی ملتی ہے[۱]۔ فاتحہ نظام القرآن کے آخری اقتباس پر ہم اس سلسلے کو ختم کرتے ہیں:-

فالذي يهمك هو إن تعلم أن الحديث وإن تواتر لا ينسخ القرآن وحقه التأويل أو التوقف الا ترى أن الإمام الشافعي و أحمد بن حنبل وعامة أهل الحديث يمنعون نسخ القرآن بالحديث وإن كان متواترا و صاحب الحديث أدرى بما فيه فمن خالفهم من الفقهاء والمتكلمين لا نقيم لرأيهم وزنا ونعوذ بالله أن ينسخ الرسول كلام الله ولابد أن يكون وهم أو خطأ من الرواة وانظر في دلائل الفريقين لا

جو چیز تمہارے دیکھنے اور غور کرنے کی ہے وہ یہ کہ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خبر چاہے وہ متواتر ہی کیوں نہ ہو وہ قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ اس کا جائز مقام یہ ہے کہ اس کی تاویل کی جائے یا اس کے سلسلے میں توقف اختیار کیا جائے۔ دیکھتے نہیں ہو کہ حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اسی طرح عامۂ اہل حدیث حدیث کے ذریعہ قرآن کے نسخ کے قائل نہیں۔ اگرچہ وہ متواتر ہی کیوں نہ ہو۔ اور حدیث کے معاملے میں ان کی حیثیت صاحب خانہ کی ہے۔ تو فقہاء اور متکلمین میں سے جن لوگوں نے ان کے برخلاف بات کہی ہے ہم ان کی رائے کو کچھ وزن دینے کو تیار نہیں۔ ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں کہ رسول اللہ کے کلام کو منسوخ کر سکے۔ ضرور ایسا ہے کہ راویوں کی طرف سے کوئی وہم یا غلطی ہوئی ہے۔ ورنہ فریقین کے دلائل کو اگر تم توجہ سے دیکھو گے تو اس سے

---

۱؎ تفصیل کے لیے التکمیل فی اصول التاویل صفحات ۲۱، نیز: ۶۵ تا ۶۸، محولہ بالا


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| یزیدک الا اطمئنانا بما | تمہارے اطمینان میں اضافہ ہوگا اور حق و |
| ھوالحق الواضح ولیس | صواب کھل تمہارے سامنے آجائے گا۔ |
| ھذا مقام تفصیلہ[1] | اگرچہ یہ مقام اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہے۔ |

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے متعلق علامہ کے ذکر کردہ اس خیال پر ہم تبصرہ آگے کریں گے، ان اقتباسات سے حدیث نبویؐ کے سلسلے میں ترجمان القرآن کے خیالات بڑی حد تک وضاحت کے ساتھ سامنے آجاتے ہیں لیکن اصل پریشانی یہ ہے کہ نظری طور پر مولانا نے یہ باتیں جتنی تکرار سے اور جس قدر زور و شدت کے ساتھ کہی ہیں، ان کی عملی مثالوں کا معاملہ اتنا ہی کمزور ہے۔ ان اقتباسات سے تاثر یہ ملتا ہے کہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم قدم پر قرآن سے ٹکراؤ ہے اور پوری امت کسی جھجک کے بغیر قرآن کو چھوڑ کر تمام تر احادیث پر تکیہ کیے ہوئے ہے۔ اس کا تقاضا تھا کہ ترجمان القرآن ذخیرۂ احادیث سے مثالوں کا ڈھیر لگا دیتے جس سے ان کی اس نظری گفتگو کو عملی صورت میں جانچنے اور پرکھنے کا موقع ملتا۔ قرآن کی کسی آیت کو حدیث سے منسوخ مان لینا یا آیت کو مجمل مان کر حدیث کو اس کی تشریح و تبیین قرار دینا، نتیجے کے طور پر ان دونوں کے درمیان خط فاصل بہت باریک ہے اور مثالوں کے بغیر اس سے متعلق گفتگو بہت کم نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ اس پوری گفتگو میں ترجمان القرآن چند ایک مثالوں سے آگے نہیں بڑھتے۔

ان معدودے چند مثالوں میں بھی کمزوری یہ ہے کہ ان میں احادیث اور تفسیری روایات دونوں کو خلط کر دیا گیا ہے[2] جبکہ احادیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اولین نمائندہ

---

[1] فاتحہ نظام القرآن / ۱۱، محولہ بالا۔

[2] مثال کے طور پر وہ اپنے مقدمہ تفسیر میں ایک ہی سطر میں 'کذب ابراہیمؑ' والی حدیث نقل کرتے ہیں جو بخاری و مسلم میں مذکور ہے اور اس کے ساتھ ہی 'غرانیق' والی روایت کا ذکر کرتے ہیں جو محض ایک تفسیری روایت ہے۔ فاتحہ / ۱۰۔ اسی طرح آگے سورج کے سجدے والی صحیحین کی روایت کے مابعد 'واخر' کی تفسیر میں سینے پر ہاتھ رکھنے والی تفسیری روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ فاتحہ / ۳۳، ۳۴۔ اس کی بعض دوسری مثالوں کے لیے ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کا فاضلانہ مضمون 'مولانا فراہی اور حدیث' قسط دوم، تحقیقات اسلامی جنوری۔ مارچ ۱۹۹۱ء۔ غرانیق =

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



بخاری و مسلم کے سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| اما الصحیحان فقد | جہاں تک صحیحین کا سوال ہے تو تمام |
| اتفق المحدثون ان جمیع | محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان میں متصل |
| ما فیہما من المتصل | و مرفوع کا جو کچھ حصہ ہے وہ قطعیت کے |
| المرفوع صحیح بالقطع | ساتھ صحیح ہے اور یہ ساری چیزیں ان کے |
| وانہما متواتران الی | مصنفین تک تواتر کے ساتھ پہنچتی ہیں |
| مصنفیہما وانہ کل من | اور جو کوئی ان کے معاملے کو ہلکا کرتا ہے |
| یہون امرہما فھو مبتدع | وہ مبتدع ہے اور اہل ایمان کے راستے |
| متبع غیر سبیل المومنین[1] | کے علاوہ دوسرے راستے کا پیروکار ہے۔ |

اور تفسیری روایات کے سلسلے میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا کہنا ہے:

| | |
|---|---|
| ثلاثۃ امور لیس لہا | تین چیزیں ہیں جن کی کوئی (مضبوط) |
| اسناد: التفسیر، والملاحم | سند نہیں۔ تفسیر، ملاحم اور مغازی۔ دوسری |
| والمغازی ویروی لیس | روایت یہ ہے کہ ان کی کوئی اصل نہیں |
| لہا اصل ای اسناد[2] | ہے اور اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ کوئی |
| | اسناد نہیں ہے۔ |

جس کی وجہ اس کے ناقل حنابلہ کے سر سبد علامہ ابن تیمیہؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

| | |
|---|---|
| لان الغالب علیہا | اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا بڑا حصہ |
| المراسیل[3] | مرسل روایات پر مشتمل ہے۔ |

اور حضرات صحابہ میں مفسرین کے سرخیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیری روایات کے سلسلے میں امام شافعیؒ کے رتبے کے آدمی کا کہنا ہے کہ تفسیر میں ان سے سو کے

---

= والی روایت کے ایک جائزے کے لیے: قصہ "غرانیق علا" پر ایک نظر از محدث کبیر علامہ ناصر الدین البانی، تلخیص: محمد ثناء اللہ ندوی، مطبوعہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ اپریل۔جون ۱۹۸۹ء۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۳۴۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی۔ طبع اولیٰ ۱۳۷۳ھ۔

[2] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۴۶۔ ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد ۱۳۹۸ھ۔ [3] حوالہ سابق۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



آس پاس حدیثوں سے زیادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں[1]

اس پس منظر میں آگے بڑھنے سے پہلے ہم علامہ فراہیؒ کی اس گفتگو میں تفسیری روایات سے قطع نظر کرتے ہوئے صحاح کی احادیث اور ان میں بھی خاص طور پر بخاری و مسلم کی روایت کردہ حدیثوں پر ایک نظر ڈالنی چاہتے ہیں۔ اس میں سے پہلی روایت سیدنا ابراہیمؑ کے توریہ یا تعریض "کذب ابراہیمؑ" کی ہے جو بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے[2] جس کا خلاصہ ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نے تین مواقع پر خلاف واقعہ بات کہی۔ دو باتیں سورۂ صافات اور انبیاء میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اثبات کے تسلسل میں کہ میں بیمار ہوں انی سقیم[3] نیز یہ کہ ان بتوں کو ان کے بڑے بت نے توڑا ہے بل فعلہ کبیرھم[4] تیسرے اپنی بیوی سارہ کو ایک جابر کے ہاتھوں آبروریزی سے بچانے کی خاطر انھیں اپنی بیوی کے بجائے اپنی بہن قرار دینے کی تلقین۔ ترجمان القرآن فراہی اس روایت کو نص قرآنی کی تکذیب کرنے والی "مکذب لنص القرآن"[5] قرار دیتے ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث کے سلسلے میں علامہ فراہی سے سب سے زیادہ قریب تر موقف امام رازیؒ کا ہے جو آیت مذکورہ کی تفسیر میں اس روایت کے ذکر کے بعد سیدنا ابراہیمؑ جیسے جلیل القدر کے بالمقابل حدیث کے راوی کی طرف کذب کے انتساب کو زیادہ قرین قیاس باور کرتے ہیں۔ اس موقع پر امام موصوف کے الفاظ کو نقل کرنا مناسب ہے:

| | |
|---|---|
| .... قلت لبعضھم ھذا | .... میں نے طبقۂ محدثین کے بعض لوگوں |
| الحدیث لا ینبغی ان | سے کہا کہ یہ حدیث اس کی حق دار نہیں |
| یقبل لان نسبۃ الکذب | کہ اسے قبول کیا جائے۔ اس لیے کہ حضرت |
| الی ابراھیم لا تجوز | ابراہیمؑ کی طرف کذب کا انتساب درست |
| فقال ذلک الرجل فکیف | نہیں ہو سکتا ہے۔ تو ان صاحب نے |

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۱۸۹۔ ازہریہ، مصر ۱۹۲۵ء، طبعہ ثانیہ

[2] بخاری جلد ا، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا الخ، اصح المطابع، دہلی
مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل ابراہیم الخلیل علیہ السلام، اصح المطابع، دہلی

[3] صافات: ۸۹ [4] انبیاء: ۶۳ [5] فاتحہ ۱۰/



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| يحكم بكذب الرواة | کہا کہ تو پھر عادل راویوں کے کذب کا فیصلہ |
| العدول فقلت لما وقع | کیوں کر کر دیا جائے۔ اس پر میں نے کہا کہ |
| التعارض بين نسبة الكذب | جب تعارض کی یہ صورت پیدا ہو کر یا تو کذب |
| الى الراوي وبين نسبته | کی نسبت راوی کی طرف کی جائے یا ابراہیم |
| الى الخليل عليه السلام كان | خلیل اللہ کی طرف اس کا انتساب کیا جائے |
| من المعلوم بالضرورة ان نسبته | تو بالکل کھلی ہوئی اور بدیہی بات ہے کہ راوی |
| الى الراوي اولى [1] | کی طرف اس کا انتساب کیا جانا زیادہ بہتر |
| | اور مناسب ہوگا۔ |

لیکن اس کے ساتھ ہی امام ممدوح دوسری رائے کا تذکرہ کرتے ہیں اور وہ یہ کہ:

| | |
|---|---|
| لم لا يجوز ان يكون | ایسا کیوں نہیں ہو سکتا ہے کہ اس |
| المراد بكونه كذبا خبرا | کے 'کذب' ہونے کا مطلب ہو کہ ایسی |
| شبيها بالكذب [2] | خبر جو 'کذب' سے مشابہ اور اس کی ہم صورت ہو۔ |

بخاری و مسلم میں اس روایت کا تذکرہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے احوال اور ان کے فضائل و مناقب کے بیان میں ہے۔ صحیحین میں دوسرے موقع پر اس روایت کا ذکر روز محشر شفاعت کے سلسلے میں ہے[3]۔ جبکہ دیگر حضرات انبیاء تواضع کے جذبہ سے بعض کمزوریوں کے حوالہ سے اس خصوص میں اپنی عدم اہلیت ظاہر کرتے ہوئے اس کے معاملے کو آخری پیغمبر سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانے جانے کی سفارش کریں گے۔ انہی میں ایک حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ بھی ہیں۔ روایت کا پس منظر خود بتاتا ہے کہ دیگر انبیاء کی طرح سیدنا ابراہیمؑ بھی دعوتی مصالح اور سخت حالات کے پس منظر میں اپنی تعریض و توریہ کو برتنائے تواضع اپنے بلند مقام عبدیت کی مناسبت سے 'کذب' سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی آں جناب کی طرف اس کا انتساب کیا جاتا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت

---

[1] مفاتیح الغیب: ۷/۱۲۵، مطبعہ عامرہ شرفیہ (مصر، ۱۳۰۸ھ)، طبعہ اولی۔ [2] حوالہ سابق۔

[3] بخاری جلد ۲۔ کتاب الرقاق، باب صفۃ الجنۃ والنار، مسلم جلد ۱، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے فاتحہ تفسیر کے آخری مقدمہ میں جہاں ترجمان القرآن احادیث سے قرآن کا اختلاف ہونے کی صورت میں قرآن کو حاکم بتاتے اور علما کو "ارباب" قرار دینے کی ممانعت کے حکم الٰہی کا زوردار لفظوں میں حوالہ دیتے ہیں، اس کی نظیر میں وہ شیخین کی روایت کردہ حضرت ابوذرؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں جس میں سورج کے حق سبحانہ تعالیٰ کے عرش تلے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی کو آیت کریمہ والشمس تجری لمستقرلها (یٰسین: ۳۸) کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ترجمان القرآن فراہی نے اس موقع پر روایت کے جو الفاظ نقل کیے ہیں۔ وہ بخاری شریف کتاب التفسیر کے ہیں[۱]۔ بخاری شریف میں یہ روایت اس سے قبل و بعد دو مواقع پر مزید آئی ہے[۲]۔ امام مسلم نے اسے اپنے یہاں کتاب الایمان میں نقل کیا ہے[۳]۔ علامہ فراہی نے اس روایت کو صرف نقل کرنے کے بعد آگے بیاض چھوڑی ہے اور کوئی تبصرہ نہیں کیا ہے۔ غالبًا علامہ کا اعتراض حدیث کے الفاظ 'مستقرہا تحت العرش' پر ہے جسے وہ مذکورہ آیت کریمہ میں 'لمستقرلها' کی تفسیر ماننے کے لیے تیار نہیں۔ غالبًا اس مستقر سے وہ 'اجل' مراد لیتے ہیں اور آیت بالا کو ان آیات کے ہم معنی قرار دیتے ہیں جن میں سورج اور چاند کے ایک متعین مدت تک چلتے رہنے کا تذکرہ ہے: کل یجری لاجل مسمی[۴]۔ حالانکہ بخاری کتاب بدا الخلق اور مسلم کتاب الایمان کی روایات میں اس کی جو تفصیل مذکور ہے وہ خود اپنے اندر 'مستقر' کے اس مفہوم کو سمیٹے ہوئے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سورج عرش الٰہی کے نیچے سجدہ کرتے ہوئے ایک وقت تک تو دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت پاتا رہے گا، لیکن ایک مرحلہ وہ آئے گا جبکہ اس کا سجدہ شرف پذیرائی سے محروم ہوگا اور اسے دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت نہ مل کر جہاں سے آیا تھا اسے پھر وہیں لوٹ جانے کے

---

[۱] بخاری جلد ۲۔ کتاب التفسیر، باب قولہ والشمس تجری لمستقرلها الخ۔

[۲] بخاری جلد ۱ کتاب بدء الخلق، باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان، جلد ۲۔ کتاب الرد علی الجہمیۃ، باب قولہ وکان عرشہ علی الماء۔ [۳] مسلم جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب بیان الزمن الذی لایقبل فیہ الایمان

[۴] رعد: ۲، لقمان: ۲۹، فاطر: ۱۳۔ زمر: ۵



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیے کہا جائے گا جس کے بعد وہ بجائے مشرق سے مغرب سے ہی طلوع ہوگا اور دوسری صحیح حدیث نبویؐ کے بموجب یہ قربِ قیامت کی علامت ہوگی۔[۱]

اس حدیث کا یہ انداز صاف بتا رہا ہے کہ یہ غیب کے وہ حقائق ہیں جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارۂ غیبی سے ہی ظاہر فرما سکتے ہیں۔ محض کسی حدیث نبویؐ کا مشکل ہونا اس کے رد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن میں اگر سائے کے سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے جس[۲] کی مناسب توجیہ کی جاتی ہے تو سورج کے عرش الٰہی کے سجدہ کرنے کی توجیہ کیوں نہیں کی جاسکتی ہے۔ سلف میں ایسے لوگ ہیں جو مذکورہ آیت کریمہ کی اس حدیث نبویؐ سے ہٹ کر اس کی دوسری فلسفیانہ انداز سے تفسیر کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں۔[۳]

---

[۱] بخاری جلد ۲۔ کتاب الفتن، باب بلا ترجمہ ص ۱۰۵۵۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفتن واشراط الساعۃ ص ۳۹۲۔ [۲] نحل: ۴۸

[۳] شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی فارسی شرح مشکوٰۃ میں مفسر بیضاوی اور شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی پر اس پہلو سے تنقید کی ہے کہ انھوں نے آیت بالا کی تفسیر میں اس حدیث نبویؐ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی فلسفیانہ توجیہ پیش کی ہے اور طیبی نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس سے لگتا ہے کہ اس کے سادہ مفہوم سے ان کے سینے میں تنگی ہے۔ اشعۃ اللمعات: ۴/۳۲۵ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۳۴ھ۔ اگرچہ اس کے محشی مولوی امیر علی نے اس موقع پر اپنے حاشیہ میں اس حدیث نبویؐ کی فلسفیانہ توجیہ بھی پیش کر دی ہے۔ اشعہ، حوالہ سابق۔

ترجمان القرآن کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ نے ۱۹۸۸ء میں لاہور کی ملاقات میں راقم سے بخاری و مسلم میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرشتہ موت کے تھپڑ مار دینے والی روایت کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا کہ جیسے انھیں تسلیم کرنے میں بہت کچھ تردد اور تحفظ ہے، حالانکہ اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مقدس میں حضرت موسیٰؑ کی قبر کی نشاندہی کی بات جس انداز سے کہی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے دی گئی اور یہ وحی غیر متلو ہے۔ اگر قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں چیونٹی اور ہدہد کے واقعات کی توجیہ کی جاسکتی ہے تو حضرت موسیٰؑ کے اس واقعہ کی توجیہ کیوں نہیں کی جاسکتی۔ محض کسی حدیث کا مشکل اور بظاہر عقل سے بالاتر ہونا اس کے رد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ورنہ کسی دلیل سے اس کی زد سے کتاب اللہ کو نہیں بچایا جاسکتا۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کی تفصیل کے لیے: بخاری جلد ۱۔ کتاب الانبیاء، باب وفاۃ موسیٰ علیہ السلام وذکرہ بعد۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیے کہا جائے گا جس کے بعد وہ بجائے مشرق سے مغرب سے ہی طلوع ہوگا اور دوسری صحیح حدیث نبویؐ کے بموجب یہ قرب قیامت کی علامت ہوگی[۱]
اس حدیث کا یہ انداز صاف بتا رہا ہے کہ یہ غیب کے وہ حقائق ہیں جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اشارۂ غیبی سے ہی ظاہر فرما سکتے ہیں۔ محض کسی حدیث نبویؐ کا مشکل ہونا اس کے رد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ قرآن میں اگر سائے کے سجدہ کرنے کا تذکرہ ہے جس[۲] کی مناسب توجیہ کی جاتی ہے تو سورج کے عرش الٰہی کے سجدہ کرنے کی توجیہ کیوں نہیں کی جاسکتی ہے۔ سلف میں ایسے لوگ ہیں جو مذکورہ آیت کریمہ کی اس حدیث نبویؐ سے ہٹ کر اس کی دوسری فلسفیانہ انداز سے تفسیر کرنے والوں پر نکیر کرتے ہیں[۳]

---

۱ بخاری جلد ۲۔ کتاب الفتن، باب بلا ترجمہ ص ۱۰۵۵۔ مسلم جلد ۲ کتاب الفتن واشراط الساعۃ ص ۳۹۳۔ ۲ نحل: ۴۸

۳ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی فارسی شرح مشکوٰۃ میں مفسر بیضاوی اور شارح مشکوٰۃ علامہ طیبی پر اس پہلو سے تنقید کی ہے کہ انھوں نے آیت بالا کی تفسیر میں اس حدیث نبویؐ کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی فلسفیانہ توجیہ پیش کی ہے اور طیبی نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس سے لگتا ہے کہ اس کے سادہ مفہوم سے ان کے سینے میں تنگی ہے۔ اشعۃ اللمعات: ۴/ ۳۲۵ مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۳۳۲ھ۔ اگرچہ اس کے محشی مولوی امیر علی نے اس موقع پر اپنے حاشیہ میں اس حدیث نبویؐ کی فلسفیانہ توجیہ بھی پیش کر دی ہے۔ اشعہ، حوالہ سابق۔

ترجمان القرآن کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ نے ۱۹۸۵ء میں لاہور کی ملاقات میں راقم سے بخاری و مسلم میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرشتہ موت کے تھپڑ مار دینے والی روایت کا تذکرہ اس انداز سے فرمایا کہ جیسے انھیں تسلیم کرنے میں بہت کچھ تردد اور تحفظ ہے۔ حالانکہ اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض مقدس میں حضرت موسیٰؑ کی قبر کی نشاندہی کی بات جس انداز سے کہی ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب سے دی گئی اور یہ وحی غیر متلو ہے۔ اگر قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے واقعہ میں چیونٹی اور ہدہد کے واقعات کی توجیہ کی جاسکتی ہے تو حضرت موسیٰؑ کے اس واقعہ کی توجیہ کیوں نہیں کی جاسکتی۔ محض کسی حدیث کا مشکل اور بظاہر عقل سے بالاتر ہونا اس کے رد کر دینے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ورنہ کسی دلیل سے اس کی زد سے کتاب اللہ کو نہیں بچایا جاسکتا۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ کی تفصیل کے لیے: بخاری جلد ۱۔ کتاب الانبیا، باب وفاۃ موسیٰ علیہ السلام وذکرہ بعد۔ مسلم جلد ۲۔ کتاب الفضائل، باب فضائل موسیٰ علیہ السلام۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس سیاق میں ترجمان القرآن فراہیؒ کے یہاں صحاح کی تیسری روایت رجم کی احادیث ہیں۔ اور اسی پر اس سلسلۂ گفتگو کو ہم ختم کرتے ہیں۔ علامہ نے اس کا حوالہ اپنی پیش نگاہ کتاب احکام الاصول باحکام الرسول کی یادداشتوں اور اپنے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی میں دو جگہ دیا ہے[1] احکام الاصول کے مطابق ترجمان القرآن کی اس رائے کا خلاصہ ہے کہ وہ جمہور امت کے مسلک سے قدرے ہٹ کر مطلق محصن اور محصنہ کے لیے رجم کی سزا کے قائل نہیں۔ علامہ اس صورت میں رجم کی سزا کو براہِ راست صحیح احادیث سے اخذ کرنے کے بجائے قرآن سے اس کا ماخذ سورۂ مائدہ[2] کی آیت محاربت کو قرار دیتے ہیں جس میں اس کے مجرم کی سزا بری طرح سے قتل کیا جانا سولی پر لٹکایا جانا یا ایک طرف سے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں کاٹ دیا جانا ہے[2] علامہ کے نزدیک اس آیت کریمہ کے بموجب شادی شدہ مسلمان مرد وعورت کو زنا کی پاداش میں رجم کی سزا اس صورت میں دی جائے گی جبکہ وہ اس کے عادی مجرم بن کر معاشرے کے امن و امان کو تہس نہس کرنے کا باعث بن جائیں۔ اس کے مطابق غیر محصن مسلمان مرد وعورت بھی اگر ان کا جرم زنا اسی عادی نوعیت کا ہو جائے تو آیت کریمہ کے بموجب انھیں بھی جمہور امت کے سو کوڑے کے بجائے رجم کی سزا کا مستحق قرار دیا جائے گا۔ ماعز اسلمیؓ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ رجم کو وہ اسی کی نظیر میں پیش کرتے ہیں اور اس کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ یَنُبُّ کنبیب التیس[3] سے استدلال کرتے ہیں۔ سورۂ نور کے قرآنی حواشی میں وہ اس سے آگے بخاری و مسلم میں مذکور آیت رجم الشیخ والشیخہ

---

[1] ڈاکٹر معین الدین اعظمی کے پی ایچ ڈی مقالہ الفراہی واثرہ فی التفسیر سے نقل کردہ احکام الاصول کے پیش نظر عربی متن کے لیے مضمون نگار مولوی ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کا شکر گزار ہے غیر مطبوعہ قرآنی حواشی اس کے پاس پہلے سے ہیں۔ [2] مائدہ: ۳۳

[3] صحیح مسلم میں اس کے الفاظ ینب نبیب التیس یا نبیب کنبیب التیس ہیں۔ مسلم جلد ۲ کتاب الحدود، باب حد الزنا صحابی مذکورؓ کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سخت تبصرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام بلند اور قرن اول کی عظمت وخیریت کا مظہر ہے جس کی طرف رحمت الٰہی بھرپور طور پر متوجہ تھی۔ اس کی نظیر نماز باجماعت کے تارکین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انھیں ان کے گھروں میں جلا دینے کے تہدید والی حدیث ہے۔ اس سے حضرات صحابہؓ کی متفقہ عظمت کے ساتھ حضرت ماعز اسلمیؓ کی عظمت اور بڑائی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والی حدیث اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت جس میں 'قد جعل اللہ لہن سبیلا' کا تذکرہ ہے، ان روایات کو یہود کی وضع کردہ قرار دیتے ہیں۔ علامہ کا اصرار ہے کہ سورہ نور کی آیت آٹھ میں 'ویدرأعنہا العذاب' میں جس عذاب کا تذکرہ ہے ضروری ہے کہ علی الاطلاق وہ محصن وغیر محصن ہر طرح کے زانی اور زانیہ کے لیے عام ہو[۱]۔ حدیث سے غیر محصن کے لیے اس عذاب کی تخصیص ان کے نزدیک محض ظن کی بنیاد پر حدیث کے ذریعہ قرآن کو منسوخ کرنا ہے جسے علامہ تسلیم کر لینے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں[۲]۔ تعجب ہے کہ رجم کے سلسلے میں علامہ کے اس انتہائی کمزور موقف کو ان کے شاگرد رشید مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں اس کے حوالے کے بغیر جوں کا توں نقل کرنے کو کافی سمجھا[۳]۔ اس سلسلے میں حدیث 'الشیخ والشیخۃ' اور 'خذوا عنی خذوا عنی قد جعل اللہ لہن سبیلا' والی صحیح احادیث[۴] سے قطع نظر رجم کی قولی

---

[۱] حواشی الفراہی علی القرآن المجید، سورۃ النور۔ غیر مطبوع۔ محولہ بالا

[۲] احکام الاصول باحکام الرسولؐ مخطوطہ۔ محولہ بالا۔

[۳] تدبر قرآن : ۴/۵۰۳-۵۰۶۔ انجمن خدام القرآن لاہور ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ نے اس موقع پر آیت کریمہ کی یہ نئی تشریح اپنے گرامی قدر استاذ کے کسی حوالہ کے بغیر اس طرح پیش کی ہے گویا کہ یہ ان کی ذاتی تحقیق ہے۔ حالانکہ مذکورہ مأخذ کے مطابق یہ تمام تر ان کے استاذ رحمہ اللہ کی تحقیق ہے جسے اس کی تمام کمزوریوں کے ساتھ مولانا اصلاحی نے صرف تفصیل کا رنگ دے دیا ہے۔ حالانکہ ترجمان القرآن فراہی کے لیے اپنی یادداشت ہونے کے سبب تحقیق کی کمی کا معقول عذر بھی ہو تو شاگرد کی اپنی باقاعدہ تصنیف میں اس معذرت کا کوئی موقع نہیں۔ اس سے پہلے اسی موقع پر مولانا اصلاحی نے 'الشیخ والشیخۃ' اور 'قد جعل اللہ لہن سبیلا' والی احادیث کا تذکرہ جس سطحی اور سرسری انداز سے کیا ہے وہ اصول تحقیق کے خلاف ہی نہیں تکلیف دہ اور دل آزار بھی ہے۔

[۴] بخاری و مسلم میں ان روایات کی تفصیل کے لیے بہ ترتیب : ۱۔ بخاری جلد ۲ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ۔ باب الاعتراف بالزنی، وباب رجم الحبلی عن الزنا اذا احصنت مسلم جلد ۲ کتاب الحدود، باب حد الزنا۔ دوسری روایت کے لیے صحیح مسلم، حوالہ سابق۔ نیز: ترمذی جلد ۱۔ ابواب الحدود، باب ماجاء فی الرجم علی الثیب۔ رشیدیہ، دہلی۔ پہلی روایت کے سلسلے میں یہ بات دلچسپی کی ضرور ہے کہ امام بخاریؒ نے اسے کتاب الحدود =



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور عملی احادیث اس رتبے کے چھتیس [۳۶] کبار صحابہ سے مروی ہیں کہ علامہ ابن حزم کے بقول ان میں سے دو یا تین کی روایت بھی کسی حدیث کو تواتر کے درجہ تک پہنچانے کے لیے کافی ہے [۱] جہاں تک مختلف طرق سے کتب احادیث میں ان روایات کے استقصا، کا سوال ہے وہ بجائے خود مشکل کام ہے۔ اور جمہور امت کے مسلک سے ہٹ کر پورے ذخیرۂ حدیث میں رجم کے خلاف کسی ایک صحابی سے کوئی قول مروی نہیں [۲] آیت محاربت سے رجم کے اثبات کے تکلف کے رد کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ صدر اول کی کسی مثال میں کسی زانی کو سولی پر لٹکانے یا الٹی سمت سے ہاتھ اور پاؤں کے کاٹنے کی کوئی مثال نہیں جبکہ آیت کریمہ میں بری طرح قتل کیے جانے کے بعد اس کی صراحت ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ الآیة حضرت ماعز اسلمی کے سلسلے میں ترجمان القرآن فراہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ 'ینب نبیب التیس' [۳] کا

---

سے کے بجائے 'کتاب المحاربین' کے مذکورہ باب کے تحت درج کیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت کے الفاظ قرآنی کی تشریح میں دوسرے موقع پر انھوں نے 'سبیلا' کے معنی شادی شدہ کے لیے سنگسار کیا جانا اور غیر شادی شدہ کے لیے کوڑے کی سزا بتائے ہیں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے اس تفسیر کے الفاظ ہیں، لہن سبیلاً یعنی الرجم للثیب والجلد للبکر۔ بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النساء،

[۱] پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی: سزائے رجم قرآن وسنت کی روشنی میں/ ۱۲۵، ۱۲۶۔ مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی بار اول اگست ۱۹۸۵ء [۲] حوالہ سابق/ ۱۱۰، ۱۱۱۔

[۳] حوالہ گزر چکا ہے۔ صحیح مسلم میں اس روایت کے الفاظ کا جو استقصاء ہے، علامہ کے نقل کردہ یہ الفاظ ان میں سے کسی کے مطابق نہیں ہیں مولانا امین احسن اصلاحی حفظہ اللہ نے تدبر قرآن: ۲/ ۵۰۵، محولہ بالا میں اس کے جو الفاظ نقل کیے ہیں 'ینب نبیب التیس' وہ صحیح مسلم: ۲/ ۶۶، مذکورہ صدر کے مطابق ہیں۔ البتہ اس کے بیان میں صحابی مذکورؓ کا تذکرہ انھوں نے جس استخفاف آمیز انداز میں کیا ہے وہ حد درجہ تکلیف دہ اور تعظیم صحابہ رضوان اللہ علیہم کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکیدات کے خلاف ہے۔ جانبداری نہیں تو مصنف ممدوح کی یہ عجلت پسندی اس پر مستزاد ہے کہ صحیح مسلم میں ہی اگلے صفحے پر مذکور حضرت ماعزؓ کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ سے استغفار کی سفارش اور قابل رشک انداز میں حضرت ماعزؓ کے قبولیت =



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



حوالہ دیتے ہیں لیکن صحیح میں مذکور اسی باب میں ان کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ :۔

استغفروا لماعز بن مالک — ماعز بن مالکؓ کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔

جس کے جواب میں حضرات صحابہؓ نے فرمایا :

غفر اللہ لماعز بن مالک — اللہ تعالیٰ ماعز بن مالکؓ کی مغفرت فرمائیں۔

بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لقد تاب توبۃ لو — واقعہ ہے کہ اس نے وہ توبہ کی ہے
قسمت بین امۃ — (اور اسے وہ شرف قبول عطا ہوا ہے) کہ
لوسعتھم[1] — اگر اسے ایک پوری امت پر بکھیر دیا جائے
تو وہ ان سب کے لیے کافی ہو جائے۔

اسی گفتگو میں ترجمان القرآن صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک صحابی رسولؐ کی عدم واقفیت کو کہ رجم کا واقعہ سورہ نور کی آیت جلد کے پہلے پیش آیا یا بعد میں تعمیم کے ساتھ پیش کرتے ہیں[2] جبکہ بخاری و مسلم میں مذکور عبداللہ بن اوفیؓ صحابیؓ کا یہ بیان ان کا تنہا بیان ہے[3]۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا واقعہ سورہ نور کے بعد پیش آیا جس میں واقعۂ افک کا بیان ہے اور اس واقعہ کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ یہ ۴ھ، ۵ھ یا ۶ھ میں پیش آیا۔ جب کہ رجم کا واقعہ اس کے بعد کا ہے اس لیے کہ اس موقع پر حضرت ابوہریرہؓ موجود تھے۔ جو کسی اختلاف کے بغیر ۷ھ میں اسلام لائے[4] حضرت عبداللہ بن اوفیؓ خود صلح حدیبیہ

---

= توبہ کے بارے کے حوالہ پر ان کی نگاہ نہ پڑ سکی۔ زنا کا ارتکاب گناہ کبیرہ ضرور ہے کوئی کفر نہیں جس کے بعد آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے۔ مولانا اصلاحی نے نبیب نبیب التیس' کا محل بالکل غلط متعین کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ریمارک صرف دور صحابہؓ کی عظمت کا آئینہ دار ہے۔ اس کے ذریعہ نعوذ باللہ حضرت ماعزؓ کی کردار کشی کی کوئی گنجائش نہیں۔

[1] صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الحدود، باب حد الزنا۔ [2] احکام الاصول باحکام الرسولؐ، بحوالہ بالا۔

[3] بخاری جلد ۲۔ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ۔ باب رجم المحصن۔ نیز باب احکام اہل الذمۃ واحصانہم الخ۔ مسلم جلد ۲ کتاب الحدود، باب حد الزنا۔ [4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری المعروف بالعینی: ۱۱/۱۵۰ ادارۃ الطباعۃ العامرہ (مصر) بدون سنہ۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



سے قبل اسلام لائے ہیں جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ ذی قعدہ ۶ھ میں واقع ہوئی۔[1] اس صورت میں حدیث الاسلام ہونے کے باعث ان کا اس سے ناواقف ہونا کچھ تعجب خیز نہیں۔ اسی طرح ترجمان القرآن فراہی کا اصرار ہے کہ سورۂ نور کی آیت کریمہ آٹھ میں العذاب' کو مطلق مانا جائے حالانکہ اسی لام عہد کو اگر رسول کی طرف راجع قرار دے دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ سورۂ نساء کی آیت کریمہ:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿نساء : ۱۰۳﴾ یقیناً نماز ایمان والوں پر اوقات کی پابندی کے ساتھ فرض قرار پانے والی چیز ہے۔

میں اگر علامہ کے شاگرد رشید رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نماز کے مقرر کردہ اوقات کو عین اللہ کا مقرر کردہ قرار دے سکتے ہیں[2] تو آیت بالا میں اگر 'العذاب' کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ عذاب مراد لے لیا جائے تو اس سے کون سی قیامت آجائے گی۔

کم سے کم بات تھی کہ اتنی بڑی بات کہی جا رہی تھی تو احادیث کا استقصا کیا جاتا۔ اس سلسلے میں خاص طور پر دو احادیث نبوی ۔ ۱۔ الولد للفراش وللعاھر الحجر[3] (لڑکا بستر کے مالک کا اور زناکار کے لیے پتھر (سنگساری کی سزا) ہے) اور ۲۔ لا یحل دم امری مسلم یشھد ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینہ التارک للجماعۃ۔[4] رجم محصن کے حق میں ایسی صریح تھیں کہ ان

---

[1] حضرت عبداللہ بن ادفیٰ کے اس بیان کی مزید تفصیل کے لیے: سزائے رجم قرآن وسنت کی روشنی میں ۱۵۵-۱۵۰ محولہ بالا۔ [2] تدبر قرآن: ۱۲۵/۲۔ انجمن خدام القرآن لاہور، بار اول ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء۔ مولانا اصلاحی حفظہ اللہ نے یہی بات دوسرے موقع پر سورۂ بقرہ کی آیت کریمہ: فَاذۡکُرُوۡہُ کَمَا عَلَّمَکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ (آیت: ۲۳۹) "سو تم اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو سکھایا ہے ان باتوں کو جنھیں تم جانتے نہیں تھے" کے تحت فرمائی ہے کہ پیغمبر کی تعلیم عین اللہ کی تعلیم ہے۔ تدبر قرآن: ۵۱۰/۱ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، طبع سوم ۱۹۷۶ء۔ [3] بخاری جلد ۲ کتاب المحاربین من اہل الکفر والردۃ، باب للعاھر الحجر۔ ایضاً جلد ۱ کتاب البیوع باب شری المملوک من الحربی وہبتہ وعتقہ الخ کتاب الوصایا، باب قول الموصی لوصیہ تعاہد ولدی الخ مسلم جلد ۱ کتاب الرضاع، باب الولد للفراش وتوقی الشبہات۔ [4] بخاری جلد ۲۔ کتاب الدیات، باب قول اللہ ان النفس بالنفس الآیہ۔ مسلم جلد ۲ کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات، باب ما یباح بہ دم المسلم۔ جس کا خلاصہ یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کا خون تین صورتوں ہی میں مباح ہوتا ہے۔ قتل عمد، شادی کے بعد زنا، اور ارتداد۔

بقیہ ۸۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے بعد ترجمان القرآن کی دور کی مذکورہ تاویل کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی یہی آخر الذکر حدیث تھی جس کے حوالہ سے خلیفہ سوم رضؓ نے بلوائیوں کو باز رکھنا چاہا تھا[1] جبکہ انھوں نے ان کو نرغے میں لے لیا تھا اور ان کی نیت بد کے آثار صاف ظاہر ہو چکے تھے۔ جس سے حدیث میں مذکور قتل عمد اور ارتداد کے ساتھ حضرات صحابہ کے یہاں رجم محصن کی سزا کا متفقہ ہونا ظاہر ہے۔

ترجمان القرآن فراہی کا موضوع حدیث وفقہ نہیں۔ اصلاً وہ ادب عربی، تفسیر اور قدیم صحف سماوی اور اس سے متعلقہ تاریخ کے ماہر ہیں۔ اس لیے حدیث وفقہ کی نسبت سے ان کے ہاں بعض کمزوریوں کا ہونا کچھ بہت زیادہ محل تعجب نہیں۔ دوسرے یہ کہ اوپر ان کی جن دو چیزوں[2] کا حوالہ ہے اصلاً ان کی حیثیت یادداشتوں کی ہے، جن کے بارے میں بڑی ذمہ داری ہے کہ ترجمان القرآن کو انھیں باقاعدہ مرتب کرنے کا موقع ملتا تو وہ انھیں کس صورت میں پیش کرتے۔ دوسرے ان کے متعلق یہ شبہ بھی پوری قوت سے برقرار ہے کہ آخر وقت تک ان کی یہی رائے تھی یا اس میں تبدیلی آگئی تھی، لیکن اس کے مطابق اپنی یادداشتوں میں انھیں ترمیم کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس خیال کو اس سے مزید تقویت ملتی ہے کہ 'احکام الاصول' میں سنت کی مختلف اقسام کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی ایک قسم کو وہ شریعت کا ایک مستقل مأخذ قرار دیتے ہیں جس کے مضمرات کو کھول دیا جائے تو اصولی طور پر جمہور امت سے ان کا سارا اختلاف کافور ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر ترجمان القرآن کے الفاظ نقل کرنا مناسب ہے۔

| | |
|---|---|
| والقسم الثالث ما لا | تیسری قسم وہ ہے جسے ہم کتاب اللہ |
| نجده في الكتاب ولكن | میں نہیں پاتے، لیکن اس زیادتی کا وہ |
| الزيادة محتملة فجعلنا | پوری طرح تحمل کر سکتی ہے۔ تو اس |
| السنة فيه اصلا مستقلا | معاملے میں ہم نے سنت کو ایک مستقل اصل |
| فان الله تعالى امرنا عموما | مانا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو |
| باطاعة الرسول وأمر | علی الاطلاق رسول کی پیروی کا حکم دیا ہے |

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب الفتن، باب ماجاء لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلاث۔ محولہ بالا۔

[2] احکام الاصول باحکام الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ حواشی الفراہیؒ علی القرآن المجید۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| الرسول بالحکم بما | اور رسولؐ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کے |
| یرید اللہ تعالیٰ سواء | لیے اس چیز کا حکم کرے جو اللہ تعالیٰ کو |
| کان بالکتاب او بالنور | پسند ہو۔ اس سے کچھ فرق نہیں کہ وہ اس |
| والحکمۃ التی ملأ اللہ | کی کتاب کے ذریعہ ہو یا اس نور اور حکمت |
| بہا قلبہ[1] | کے ذریعہ جس سے کہ اس نے اس کے |
| | سینے کو بھر رکھا ہے۔ |

اس پوری گفتگو میں ترجمان القرآن فراہی کا اصل مذاق یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث کو قرآن سے مستنبط اور ان کے منشا و منبع کو کتاب اللہ سے تلاش کرنا چاہتے ہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں حضرت امام شافعیؒ آج سے بہت پہلے فرما چکے ہیں کہ :۔

| | |
|---|---|
| کل ما حکم بہ | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (جملہ |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | معاملات زندگی سے متعلق) جو کوئی فیصلہ |
| فہو ما فہمہ من | بھی کیا ہے تو وہ وہی ہے جو قرآن سے |
| القرآن[2] | ان کا سمجھا ہوا ہے۔ |

ترجمان القرآن کا یہی من پسند مسلک ہے جس کا انھوں نے اپنے مقدمہ تفسیر میں حوالہ بھی دیا ہے[3] اس طرح اصول کی حد تک ترجمان القرآن کا سلف سے اختلاف نہیں۔ یہ اختلاف بس جزئیات کا ہے جس کی نظیریں درجات کے فرق سے سلف کے یہاں بھی موجود ہیں[4] رہی یہ بات کہ کتاب اللہ کی تشریح و تبیین کا یہ حق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نور و حکمت کے ذریعہ ادا کرتے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] احکام الاصول، محولہ بالا۔ [2] فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳، طبع مذکور۔ نیز: الاتقان فی علوم القرآن: ۲/۱۲۶، حوالہ بالا

[3] فاتحہ /۶۔

[4] مثال کے طور پر علامہ ابن تیمیہ ۷۲۸ھ جو دیگر مختلف ائمہ کے حوالہ صحیحین کی مختلف روایات کو روایت و درایت ہر دو پہلو سے نقد و نظر سے بالا نہیں سمجھتے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۸/۱۷-۲۱۔ (سعودی عرب) ترتیب: عبدالرحمٰن بن قاسم وابنہ محمد۔ بدون سنۃ۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کو عطا کیا تھا جس کے قائل ترجمان القرآن فراہی ہیں یا بر سرِ موقع حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے آپ کے دل میں باتیں ڈالی جاتیں اور ضرورت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا اظہار فرماتے تو نتیجے کے اعتبار سے ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی خود کتاب اللہ میں اس کی نسبت سے ایک سے زائد مقامات پر اس کی صراحت ہے کہ یہ سرتاسر ذات باری تعالیٰ کا آپؐ کے لیے عطیہ اور احسان ہے جس میں آپؐ کی کسی کوشش اور ذاتی صلاحیت کا دخل نہیں[1]۔ تو وحی متلو کے ساتھ درجے اور مرتبے کے فرق سے وحی غیر متلو کے بھی اس میں شامل ماننے میں کوئی خاص حرج نہیں معلوم ہوتا یہ الگ ہے کہ قریب وبعید کے سلف میں ایسے لوگ موجود ہیں جو بعض معاملات ومسائل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اجتہاد واستنباط کے قائل ہیں[2]۔

اس پہلو سے ترجمان القرآن فراہی کے تعمق کی ایک اچھی مثال آیتِ میراث میں وصیت کا مسئلہ ہے۔ ترجمان القرآن فراہی کی اس رائے کو انہی کے الفاظ میں دیکھنا چاہیے۔ کتاب 'التکمیل' میں بحث هل يأول الحديث الى القرآن ام بعكس الامر؟ کیا حدیث کی تاویل قرآن کی روشنی میں کی جائے یا معاملہ اس کے برعکس ہوگا' کے تحت فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| کم من آیات القرآن' | قرآن کی کتنی ہی آیتیں ہیں کہ اگر تم ان |
| ان تدبرت فیہا وفہمت | پر غور کرو اور ان کے معنی صحیح معنوں میں |
| معناها وجدت من الاحادیث | سمجھ لو تو احادیث سے تم کو وہ چیز مل جائیگی |
| ماجاء موافقا لہ. فالحدیث | جو اس کے موافق ہوگی۔ چنانچہ حدیث |

---

[1] قصص: ۸۶، عنکبوت: ۴۸، شوریٰ: ۵۲۔ اعلیٰ: ۶، ۷ وغیرہ دیگر آیات۔

[2] رضاعت کے دوران خاص زن وشوئی تعلق کی ممانعت اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس کی اجازت کے حوالے سے علامہ نووی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصریحات۔ شرح نووی للمسلم مع المسلم: ۱/۴۶۶ حجة اللہ البالغہ: ۲/۱۳۵۔ کتب خانہ رشیدیہ دہلی، طبع اولیٰ ۱۳۷۳ھ امام نوویؒ نے جمہور اہل اصول کا یہی مسلک بتایا ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کے قائل ہیں۔ نووی، حوالہ سابق۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لم يزد شيئا على القرآن ولكن صرح من الآية امرا غامضا يكاد يخفى على من لا يتدبر مثلا في آية الميراث ترى وصيتين: وصية من الله وسماها فريضة من الله وقال فيها (آباؤكم وابناؤكم لا تدرون أيهم اقرب لكم نفعا فريضة من الله ان الله كان عليما حكيما) سورة النساء آية ١١ ووصية أخرى من الميت وجعل التقدم لوصية الميت

وقد علمنا ان الله اعلم واحكم ووصية اقدم، فلا بد ان تكون هذه وصية الميت لغير وارثيه من الخيرات. ثم ترى النبي عليه الصلوٰة صرح بذلك فقال

قرآن پر کوئی اضافہ نہ کرے گی، بلکہ وہ آیت قرآنی کے کسی باریک پہلو کی نشاندہی کرے گی جس کا اس شخص پر پوشیدہ رہ جانا عین قرین قیاس ہے جو فہم و تدبر کا حق ادا نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر آیت میراث کے اندر تم کو دو طرح کی وصیتیں نظر آئیں گی۔ اللہ کی طرف سے وصیت، جسے وحی الٰہی نے فریضۃ من اللہ کا نام دیا اور اس کے بارے میں ارشاد ہوا (تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمہارے لیے نفع رسانی کے لحاظ سے قریب تر ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے۔ بیشک اللہ بڑا جاننے والا، حکمت والا ہے) سورۂ نساء، آیت: ۱۱۔ اور دوسری وصیت میت کی طرف سے ہے اور میت کی وصیت کی بات دونوں میں پہلے کہی گئی ہے۔

لیکن ہم کو معلوم ہے کہ اللہ سب سے بڑھ کر علم رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔ چنانچہ اس کی وصیت کو بھی دوسروں سے مقدم ہونی چاہئے۔ پس ضروری ہے کہ میت کی طرف سے بھلائی کے کاموں کی جو وصیت ہو وہ اس کے غیر وارثین کے حق میں ہو۔ اب تم دیکھو کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی صراحت فرماتے ہیں۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



"الا لا وصیۃ لوارث"[۱] ارشاد ہوتا ہے: "سن لو وارث کے حق میں وصیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے"۔

اس گفتگو میں ترجمان القرآن حدیث "لا وصیۃ لوارث" کا ماخذ قرآن سے تلاش کر لیتے ہیں۔ دیکھنے کی بات ہے کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی کے عدم جواز کے قائل امام محمد بن حسن شیبانی کو حضرت امام شافعیؒ بعض دیگر نظائر کے ساتھ حدیث بالا کے حوالہ سے لاجواب کر دیتے ہیں جس سے آیت کریمہ: کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الایہ ۔بقرۃ: ۱۸۰ پر اضافہ ہوتا ہے[۲]۔ لیکن ترجمان القرآن فراہی اس کی بنیاد کتاب اللہ ہی سے تلاش کر لیتے ہیں۔ اسی طرح احکام الاصول کی یادداشتوں میں بھی تھوڑے سے فرق کے ساتھ غیر وارثین کے لیے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی ممانعت کی حدیث نبوی کا ماخذ وہ کتاب اللہ سے ڈھونڈھ نکالتے ہیں[۳]۔

---

[۱] التکمیل فی اصول التاویل/ ۶۵۔ مولانا اصلاحی حفظہ اللہ نے اپنی تفسیر تدبر قرآن میں آیات میراث کی تفصیل میں چوتھے نکتے کی وضاحت میں بعینہٖ یہی بات کہی ہے۔ تدبر قرآن: ۳۳/۲۔ انجمن خدام القرآن، لاہور، طبع دوم ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء، گو کہ حسب روایت اس موقع پر بھی مولانا نے اس کے کسی حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کی ہے۔

[۲] حجۃ اللہ البالغہ: ۱/۱۳۶۔

[۳] احکام الاصول (مخطوطہ) البتہ اس موقع پر ترجمان القرآن نے حدیث کے الفاظ غالباً اپنی یادداشت سے لکھے ہیں: "لا وصیۃ فی اکثر من ثلث والثلث اکثر" صحیح بخاری میں اس کے الفاظ "الثلث و الثلث کثیر او کبیر" ہیں (بخاری جلد ا۔ کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث) اسی طرح اس موقع پر روایت کے صاحب واقعہ حضرت سعد بن وقاصؓ کے سلسلے میں علامہ کا یہ کہنا کہ ان کے حالات کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ ان پر کتنا قرض تھا"... ولم یعلم من احوالہ کم یکون دینہ، اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا جبکہ بخاری میں ایک سے زائد مقامات پر صراحت ہے کہ وہ ایک صاحب حیثیت اور مالدار شخص تھے اور بعد از مرگ ان کی وراثت کی حقدار تنہا بیٹی کے علاوہ دوسرا نہ ہو کر وہ اپنے مال و جائداد کا بڑا حصہ دوسروں کے حق میں وصیت کر جانا چاہتے تھے۔ (بخاری جلد ۲۔ کتاب الفرائض، باب میراث البنات۔ کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع۔ کتاب النفقات، باب فضل النفقۃ علی الاہل۔ کتاب الفرائض، باب میراث البنات ـــ



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


ترجمان القرآن فراہی حدیث کے ذریعہ قرآن کے نسخ کے قائل نہیں جس کے لیے انھوں نے جیسا کہ گزرا اپنی تائید میں صاحب خانہ کی حیثیت سے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا تذکرہ کیا ہے۔ شافعی اور حنبلی اصول فقہ میں اس کی صراحت ہے۔

| | |
|---|---|
| ولا یجوز نسخ الکتاب | کتاب کا نسخ سنت سے جائز نہیں ہے۔ |
| بالسنة ویجوز نسخ السنة | ہاں سنت کا نسخ کتاب سے جائز ہے۔ اسی |
| بالکتاب ویجوز نسخ المتواتر | طرح خبر متواتر کا متواتر سے اور احاد کا احاد |
| بالمتواتر ونسخ الآحاد بالآحاد | سے نسخ جائز ہے۔ البتہ آحاد سے متواتر کا |
| والمتواتر ولا یجوز نسخ المتواتر بالآحاد[لے] | نسخ جائز نہیں ہے۔ |

اسی طرح فقہ حنبلی میں ہے:

| | |
|---|---|
| ویجوز نسخ القرآن | اور قرآن، سنت متواترہ اور آحاد میں ایک |
| والسنة المتواترة والآحاد | دوسرے کا نسخ اپنے مثل سے جائز ہے۔ |
| بمثلها والسنة بالقرآن | اسی طرح سنت کا نسخ قرآن سے جائز ہے۔ |
| لا هو بها[۲ے] | اس کے برعکس قرآن کا نسخ سنت سے جائز نہیں۔ |

---

= جلد ا کتاب الجنائز۔ باب رثاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن خولة۔ کتاب الوصایا۔ باب ان یترک ورثتہ اغنیاء خیر من ان یتکففوا الناس) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تہائی سے اوپر کی وصیت کی ممانعت اس لیے فرمائی کہ گو کہ بحیثیت ذی فرض کے ان کی تنہا ایک ہی بیٹی تھی لیکن بحیثیت عصبات کے دوسرے ورثہ موجود تھے۔ اور چونکہ اس حکم کے صحابیؓ مذکور کے ساتھ خاص ہونے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی اشارہ نہ تھا اس لیے اس کے عام ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ ترجمان القرآن نے اس موقع پر اس کا تذکرہ کیا ہے "والحدیث لا یشرع حکما عاما فانہ فی رجل معین ولم یعلم من احوالہ کم یکون دینہ۔

لے الورقات للجوینی مشمولہ مجموع متون اصولیہ/۴۵۔ ابتدا میں متن کا حصہ مقلوب ہو گیا ہے جس کی محشی نے نشاندہی کر دی ہے۔ ہم نے اس کو بحال کر دیا ہے۔ محشی نے حضرت امام شافعیؒ کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا بھی یہی مسلک قرار دیا ہے۔ حوالہ سابق۔

۲ے قواعد الاصول ومعاقد الفصول لصفی الدین البغدادی الحنبلی م ۷۳۹ھ مشمولہ مجموع متون اصولیہ/۱۴۲ محولہ بالا۔


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



لیکن حدیث سے قرآن کے نسخ کا یہ عدم جواز اس صورت میں ہے جبکہ ایک حکم کو بالکل اٹھالیا اور کالعدم کر دینا ہو جیسا کہ اصول فقہ شافعی میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے۔

| | |
|---|---|
| وحده الخطاب الدال | اور نسخ کی تعریف ہے وہ خطاب جو کسی |
| على رفع الحكم الثابت | ایسے حکم کے اٹھالیے جانے پر دلالت |
| بالخطاب المتقدم على | کرے جو اس سے پہلے خطاب سے ثابت |
| وجه لولاه لكان ثابتا مع | ہو۔ اس طور پر کہ اگر یہ نہ ہوتا تو گو کہ وہ اس |
| تراخيه عنه[1] | سے پیش رو اور متقدم ہوتا لیکن اس کے |
| | باوجود اس کا حکم ثابت اور باقی رہتا۔ |

لیکن اگر نسخ کے یہ معنی ہوں کہ کسی تخصیص، تقیید، شرط یا مانع کی وجہ سے ظاہر حکم کو اٹھالیا جائے جیسا کہ حنابلہ کے سرخیل علامہ ابن قیم م ۷۵۱ھ عامۂ سلف کے حوالہ سے اس کے یہی معنی بیان کرتے ہیں۔ رفع دلالة العام والمطلق والظاهر وغيرها تارة، اما بتخصيص أو تقييد او حمل مطلق على مقيد وتفسيره وتبيينه[2] تو نسخ کے اس معنی کے لحاظ سے سنت کے ذریعہ کتاب اللہ کے نسخ میں کوئی مانع نہیں۔ اس لیے کہ سنت سے کتاب اللہ کی تخصیص میں فقہ شافعی میں کوئی کلام نہیں ہے:

| | |
|---|---|
| ويجوز تخصيص الكتاب | اور کتاب کی تخصیص کتاب سے جائز |
| بالكتاب وتخصيص الكتاب بالسنة | ہے اور کتاب کی تخصیص سنت سے جائز |
| وتخصيص السنة بالكتاب و | ہے اور سنت کی تخصیص کتاب سے جائز |
| تخصيص السنة بالسنة[3] | ہے اور سنت کی تخصیص سنت سے جائز ہے۔ |

جہاں تک فقہ حنفی کا سوال ہے اس میں کتاب وسنت دونوں کے ایک دوسرے سے نسخ ہونے کی صراحت ہے۔

---

[1] الورقات لابی محمد عبداللہ بن یوسف الجوینی م ۴۷۸ھ، شمولہ متون ۴۴/ حوالہ بالا۔ اصل میں غالباً طباعت کی غلطی سے 'لولاه' کی 'ه' چھوٹ گئی ہے جسے ہم نے بحال کر دیا ہے۔

[2] اعلام الموقعین: ۳۵/۱ مکتبۃ الکلیات الازہر، مصر طبع جدید ۱۳۸۸ھ ۱۹۶۸ء [3] الورقات ۴۳/ محولہ بالا۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



| | |
|---|---|
| ویجوز نسخ کل من الکتاب والسنۃ بالآخر[1] | اور کتاب وسنت ان میں سے ہر ایک کا نسخ دوسرے سے جائز ہے۔ |

اسی طرح تعارض کی صورتوں کے بیان میں کہا گیا ہے :

| | |
|---|---|
| واذا وقع التعارض بین الحجتین فحکمہ بین الآیتین المصیر الی السنۃ وبین السنتین المصیر الی اقوال الصحابۃ[2] | اور جب دو دلیلوں کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو دو آیتوں کی صورت میں سنت سے رجوع کیا جائے گا۔ اور دو سنتوں کی صورت میں صحابہؓ کے اقوال سے رجوع کیا جائے گا۔ |

اسی طرح فقہ مالکی میں گو کہ آحاد سے کتاب اللہ کے نسخ کا معاملہ ڈھیلا ہے لیکن سنت متواترہ سے کتاب اللہ کا نسخ مالکیہ کی اکثریت کے نزدیک جائز کہا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اما نسخ الکتاب بالآحاد فجائز عقلا واقع سمعا..... ویجوز نسخ الکتاب بالسنۃ المتواترۃ لمساواتہا لہ فی الطریق العلمی عند اکثر اصحابنا[3] | جہاں تک اخبار آحاد سے کتاب اللہ کے نسخ کا سوال ہے تو یہ عقلاً تو جائز ہے لیکن قرآن وسنت کے نصوص میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے....اور کتاب اللہ کا نسخ سنت متواترہ سے جائز ہے۔ اس لیے کہ ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک حصول علم کے مقصد سے دونوں کا درجہ برابر اور ایک سا ہے۔ |

اسی موقع پر حدیث 'لاوصیۃ لوارث' سے اس کی نظیر بھی دی گئی ہے[4]۔

---

[1] مختصر المنار لابن حبیب الحلبی م ۸۰۸ھ، مشمولہ متون/۲۶۔ مذکورہ بالا۔

[2] مختصر المنار، حوالہ بالا/۲۴، ۲۵۔

[3] مختصر تنقیح الفصول فی الاصول للامام شہاب الدین القرافی المالکی م ۶۸۴ھ، مشمولہ مجموع متون اصولیہ/۷۶۔ محولہ بالا۔

[4] مختصر تنقیح الفصول، حوالہ سابق۔



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اس تفصیل سے واضح ہے کہ ترجمان القرآن فراہی سنت سے کتاب اللہ کے نسخ کے عدم جواز کے سلسلے میں حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا جو حوالہ دیتے ہیں تو حوالے کی حد تک تو یہ بات درست ہے لیکن فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں نسخ کی جو تعریف کی گئی ہے اور اس کے جو معنی تجویز کیے گئے ہیں، ترجمان القرآن کا نظریۂ نسخ اس سے بہت کچھ مختلف ہے۔ عملی نظائر میں جو چیز امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک سنت کے ذریعہ کتاب اللہ کی تخصیص قرار پاتے ہوئے واجب العمل ہوگی، علامہ فراہیؒ کے نزدیک وہی چیز سنت کے ذریعہ قرآن کا نسخ قرار پاکر قابل قبول نہ ہوسکے گی۔ یہ الگ ہے کہ قرآن کے کسی خفی استدلال سے سنت میں کہی گئی بات کو وہ قرآن ہی کا مدلول قرار دیدیں اور نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں فرق باقی نہ رہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ قرآن کے سمندر میں کیا کچھ نہیں ہے لیکن حقیقت ہے کہ سنت کے بغیر اس کے اجمال کی تفصیل اور شریعت کی تکمیل کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ نکتے کی حد تک حدیث میں بیان کردہ کچھ چیزوں کو قرآن سے براہِ راست مستنبط کرلیا جائے لیکن خاص طور پر قوانین کی تفصیل میں بہت جلد وہ مرحلہ آجاتا ہے جب کتاب اللہ سے باریک تعلق کے ساتھ تمام تر مدار احادیث و آثار پر ہی رہ جاتا ہے۔ بیع و شراء، وراثت اور وقف ولقطہ وغیرہ کے معاملات ہی نہیں، عبادات و اخلاق وغیرہ کے ابواب کی تفصیلات بھی درحقیقت احادیث و آثار کی روشنی میں ہی ترتیب پاتی ہیں۔ شاید مسئلے کی اسی نوعیت کے پیش نظر سلف میں سے بعض لوگوں کی طرف سے 'السنۃ قاضیۃ علی الکتاب'[1] کی بات کہی گئی ہے ورنہ کتاب اللہ کی بنیادی اور مرکزی حیثیت کے سلسلے میں کس مسلمان کو کلام ہوسکتا ہے؟

---

[1] ابن عبدالبرؒ ۴۶۳ھ: جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۱۹۱ - دارالکتب العربیہ بیروت ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بیان سے بھی اس قول کی یہی توجیہ سامنے آتی ہے۔ واذا کان القرآن محتملا لوجوہ فالسنۃ قاضیۃ علیہ۔ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف/ ۵۰ دار النفائس بیروت، طبع اولیٰ ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء۔ مراجعت وتعلیق: عبدالفتاح ابوغدہ



© rasailojaraid.com